چند نئی مصری مطبوعات

از جناب مولانا مسعود عالم ندوی

(قسط دوم)

(۵) العدالة الاجتماعية فی الاسلام (اسلام میں اجتماعی عدل)[1] مصنف: سید قطب۔ کاغذ و طباعت اعلیٰ، بڑی تقطیع، ۲۷۰ صفحے۔

یہ کتاب اور اس کا موضوع بحث، محمد الغزالی کی کتابوں اور ان کے موضوع بحث سے ملتے جلتے ہیں مگر دونوں مصنفوں کی شخصیتوں میں بڑا فرق ہے۔ الغزالی، ازہر کے عالم اور قدیم طرز کے تعلیم و تربیت یافتہ ہیں۔ غالباً یورپ کی کوئی زبان وہ نہیں جانتے۔ قدیم تعلیم اور قرآن و حدیث کے مطالعہ کے باعث، مزاج میں اعتدال، طبیعت میں رزانت اور لہجے میں نرمی ہے۔ ان کے برعکس، زیر نظر کتاب کے مصنف سید قطب، جامعۂ فواد کے گریجویٹ، امریکا پلٹ اور مصر کے نئے لکھنے والوں میں امتیاز و شہرت کے مالک ہیں۔ الاخوان المسلمون، یا کسی اور مذہبی انجمن سے ان کا کوئی باضابطہ تعلق نہیں۔ اسلام کی تعلیمات نے خود انہیں اپنی طرف کھینچا اور آہستہ آہستہ یہ حقیقی اسلام کے مبلغ اور اسلامی تحریک کے داعی بن گئے۔ لیکن چونکہ ان کا یہ جوش و خروش کسی مدرسہ یا دار العلوم کا مرہون منت نہیں، اور نہ ان کے دل میں علمائے کرام کا کوئی روایتی احترام ہی ہے، اس لئے قدرتی طور پر خامیوں اور غلطیوں پر ان کی تنقید سخت اور تلخ ہوتی ہے۔

کتاب کا موضوع "اجتماعی عدل" سے متعلق اسلام کی تعلیم، پروگرام، اور اس کے ارکان و وسائل سے

---

[1] ہمارے سامنے اس وقت کتاب کا دوسرا منقح ایڈیشن ہے، جو مصنف نے پچھلے دنوں امریکا سے واپسی پر شائع کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن جنداد میں راقم کی نظر سے گذر چکا تھا۔ اس ایڈیشن میں مفید اضافے ہیں۔ امریکا کی ایک علمی سوسائٹی اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کر رہی ہے۔

بحث کرتا ہے۔ مصنف کو اسلام اور اس کی تقدیر (Destiny) اور روشن مستقبل پر یقین کامل ہے۔ کمیونزم اور جمہوریت، دونوں سے وہ نالاں ہیں۔ ان کی نگاہ میں دونوں مادہ پرست اور دین اور دینی فکر کے دشمن ہیں۔ روس اور امریکا کی باہمی رسہ کشی، جنگِ زرگری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ (ص ۲۶۳)۔

کتاب کے اہم ابواب یہ ہیں:۔

(۱) مسیحیت اور اسلام میں دین اور سوسائٹی کی حیثیت

(۲) اسلام میں اجتماعی عدل کا مزاج

(۳) اسلام میں اجتماعی عدل کے ارکان۔ (الف) قلب و روح کی آزادی۔ (ب) انسانی مساوات (ج) اجتماعی تضامن و تکافل۔

(۴) اسلام میں اجتماعی عدل کے وسائل۔

(۵) اسلام میں حکومت کا نظام۔ (الف) مالی پالیسی (ب) انفرادی ملکیت (ج) زکوٰۃ کی فرضیت

(۶) زکوٰۃ کے علاوہ مال میں دوسرے حقوق

(۷) اسلام کی تاریخ سے چند مثالیں۔

(۸) اسلام کا حاضر اور مستقبل

(۹) دوراہے پر۔

تبصرہ نگار کی نگاہ انتخاب حیران ہے کہ ایسی مفید اور جامع کتاب کا کون سا پہلو نمایاں کرے اور کسے نظر انداز کرے؟ ایک مختصر تبصرے کی محدود گنجائش میں طول طویل اقتباسات دینا مشکل ہے مجبوری میں مصنف کے بعض افکار و رجحانات ہی کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

پہلے باب میں فاضل مؤلف نے اسلام اور مسیحیت کا فرق بڑی خوبی سے واضح کیا ہے۔ "مسیح علیہ السلام نے اجتماعی یا سیاسی نظام کے متعلق صرف سرسری اشارے فرمائے ہیں۔" مسیحیت نے قیصر کا قیصر کو دیا اور اللہ کا اللہ کو۔ اس کی بنیاد اس تصور پر اٹھائی گئی کہ دین صرف رب اور بندے کے درمیان ایک رابطے کا نام ہے، جس طرح قانون عبارت ہے، حکومت اور فرد کے باہمی تعلق سے

لیکن اسلام کا حال اس سے مختلف ہے :-

" دین کا ایک مجموعہ ہے ، جس کا تجزیہ نہیں ہو سکتا (کلٌّ لا یتجزیٰ)

" عبادت و معاملات و قوانین و ہدایات ---- دین سب کے مجموعے کا نام ہے تعبدی شعائر اپنی فطرت و عنایت میں سیاسی نظام اور معاملات سے الگ نہیں " (ص۱۱)

دوسرے باب میں اسلام کے تصورِ کائنات پر گفتگو کرتے ہوئے ، " اسلامی فلسفہ " کے متعلق مؤلف نے پتے کی بات کہی ہے ، جس سے ان کی ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے :-

" ابن سینا یا ابن رشد اور ان جیسوں کے ہاں ، جنہیں فلاسفۂ اسلام ، کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ، صحیح اسلامی فلسفہ کی تلاش بے سود ہے ۔ ان کا فلسفہ یونانی فلسفہ کا عکس ہے ، جسے حقیقت میں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں " (ص۲۲)

اس سلسلے میں مصنف کو علمائے ازہر سے بھی سخت شکایت ہے :-

" اسلام کے تصورِ حیات کی تشریح اور دوسرے نظامہائے حیات پر اس کے نظامِ حیات کی برتری ثابت کرنے کے بجائے ، کلیتہ اصول الدین میں ابن سینا اور ابن رشد کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔ یونانی فلسفے کی نقالی و ترجمانی کو بے جا طور پر اسلامی فلسفہ کا نام دے دیا گیا ہے " (ص۲۴)

تیسرے باب سے لے کر چھٹے باب (ص۳۳-۱۴۲) تک مصنف نے جو کچھ لکھا ہے ، وہ ہمارے ہاں کوئی نئی چیز نہیں ، لیکن مصر اور عربی بولنے والے علاقوں میں ابھی ضرورت ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت ، اجتماعی عدل ، مالی پالیسی اور متعلقہ مسائل پر بار بار اور تفصیل سے لکھا جائے ۔ مصنف نے یہ فرض بڑی قابلیت اور جامعیت کے ساتھ ادا کیا ہے ۔ کسی مصنف و مفکر کے تمام خیالات سے اتفاق کرنا تو شاید مشکل ہے ، البتہ اس بات کی شہادت دی جا سکتی ہے کہ مصنف کی صائب فکر اور ان کے جذبۂ دعوت کا پڑھنے والے پر خاص اثر پڑتا ہے ۔ شخصی ملکیت پر پابندیاں ، مال پر زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے واجبات ، کنز اور اس کی مقدار ، اور اسی طرح کے دوسرے مسائل میں کافی گفتگو اور کسر و انکسار کی گنجائش

ہے۔ اور یہ کام ایک فرد کے کرنے کا ہے بھی نہیں۔ مصر میں یا ہمارے ہاں جو اصحاب علم ان مسئلوں پر لکھتے ہیں، وہ گویا آئندہ منظم کام کے لیے موادِ خام اور مسالہ فراہم کر رہے ہیں۔

مال میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے حقوق بھی ہیں؛ اس پر مؤلف نے مفصل گفتگو کی ہے (ص ۱۳۲-۱۴۰)۔ زکوٰۃ کو اسلام کا آخری مطالبہ کہنا مصنف کے خیال میں، پیشہ ور علمائے دین (رجال الدین المحترفین) کی ایجاد ہے:-

"جب جماعت کو زکوٰۃ کے علاوہ دوسری آمدنی کی ضرورت نہ ہو، تو زکوٰۃ "کم سے کم مطالبے" کے طور پر واجب ہے۔ لیکن اگر زکوٰۃ کی آمدنی کافی نہ ہو، تو اسلام بے بس نہیں۔ وہ صاحب امر کو کافی اختیارات دیتا ہے۔ اصلاح کی لازمی حدود کے اندر وہ قوم کے سرمایہ سے مناسب مقداریں لے سکتا ہے۔" (ص ۱۳۶)

مصنف نے اس سلسلے میں فقہی مصالح مرسلہ اور سدِّ ذرائع پر مفصل گفتگو کی ہے اور محمد ابوزہرہ کی کتاب "الامام مالک" سے طویل اقتباسات دیئے ہیں۔ ائمہ اربعہ میں امام مالک ہی مصالح مرسلہ کے باب میں معتدل رائے رکھتے اور نص نہ ہونے کی صورت میں اس کا اعتبار کرتے ہیں۔ اس باب میں وہ مبتدع نہیں، بلکہ ان کے پاس دلائل و شواہد ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اور خاص طور پر عہد فاروقی کی متعدد مثالیں محمد ابوزہرہ نے دی ہیں۔ مصالح مرسلہ کے ماتحت، صاحب امر کو جو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال ذیل میں درج ہے، جو مصنف نے محمد ابوزہرہ کی کتاب "الامام مالک" سے نقل کی ہے:-

"عام ملکی مسائل میں مصلحت کے مؤثر ہونے کی ایک مثال یہ ہے کہ جب بیت المال خالی ہو، یا فوج کی ضروریات بڑھ جائیں، اور بیت المال کا ذخیرہ کافی نہ ہو، تو امام کو حق حاصل ہے کہ وہ مالداروں پر اتنی رقم عائد کر سکتا ہے، جو اس کے خیال میں فوری طور پر ضروریات کے لیے کافی ہو۔ . . . . پھر اسے یہ بھی اختیار ہے کہ یہ ٹیکس فصل کی تیاری اور پھلوں کے پکنے کے وقت عائد کرے۔ تاکہ اصحابِ ثروت کی دل آزاری نہ ہو۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ اگر امامِ عادل ایسا نہ کرے، تو اس کا رعب و وقار ختم اور ملک دشمنوں کے حملوں کی

آماجگاہ بن جائے گا ـــــ ممکن ہے، یہ کہا جائے کہ ٹیکس عائد کرنے کے بجائے امام بیت المال کے لیے قرض بھی لے سکتا ہے؛ اس کا جواب امام شاطبی نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ "بحران (ازمہ Crisis) کے عالم میں قرض اس وقت لیا جاتا ہے جب بیت المال میں آمدنی کی توقع ہو۔ لیکن جب کوئی (عمدی) توقع نہ ہو، اور آمدنی کے تمام ذرائع ناکام ثابت ہوں، تو پھر کوئی رقم مشخص کرنے (توظیف) کے سوا چارہ کار نہیں" (ص ۱۳۹)

اسی طرح "سد ذرائع" بھی ایک معتبر فقہی اصل ہے۔ امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں آثار صحابہ سے اس کی بیسیوں نظیریں پیش کی ہیں۔ مؤلف کے خیال میں مصالح مرسلہ اور سد ذرائع کے اصولوں کے ماتحت سوسائٹی کی تمام معاشی مشکلات حل کی جا سکتی ہیں۔ طوالت کا خوف مانع ہے ورنہ اس کی مثالیں دی جاتیں۔

ساتواں باب (اسلام کی تاریخ سے چند مثالیں) کتاب کا سب سے طویل اور اہم باب ہے۔ اس میں مولف نے اسلام کی تاریخ اور فکری تغیرات کا جائزہ لیا ہے اور شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے عہد خلافت سے لے کر دور حاضر تک کی فکری اور عملی تبدیلیوں پر نظر ڈالی ہے۔ مصنف نے دائرے میں لگی پٹی ہیں رکھی۔ جو کوئی اسلامی روح کا پیکر اور اس کی اصلی خصوصیات کا حامل نظر آیا۔ اس کے حق میں کلمۂ خیر سے بخل نہیں کیا گیا۔ اور جو اس راہ سے ہٹا ہوا دکھائی دیا اس پر نقد کرنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس ہوئی۔ جدید تعلیم اور جوش جوانی کے باعث ان کا قلم روایتی احترام و عقیدت کا بھی شرمندۂ احسان نہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر بنو امیہ اور خاص کر امیر معاویہ پر انتہائی سخت اور تلخ لہجے میں تنقید کی ہے۔ ان کے خیال میں معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی سیاست سے اخلاق کا عنصر خارج کرنے کی کوشش کی اور ہند کا اسلام بھی مصنف کے نزدیک مجبوری کے اقرار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اور تو اور حضرت عثمانؓ بھی مصنف کی تیغ بیانی سے نہیں بچ سکے ہیں۔ ان کی کوتاہیوں کے لیے عذر تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، مگر معاف کرنے کے لیے تیار نہیں

"یہ مشکل ہے کہ ہم حضرت عثمانؓ کی اسلامی روح کو متہم کریں۔ لیکن یہ بھی مشکل ہے کہ ہم

انہیں اس غلطی سے بھی بری الذمہ قرار دیں - بڑھاپے میں ان کا زمام خلافت ہاتھ میں دینا، اور بد باطن بنو امیہ کے بداخلاق لوگوں کا ان پر چھا جانا، کوئی معمولی غلطی یا سوءِ اتفاق نہیں" (ص ۱۹۰) بیت المال میں حضرت عثمانؓ کے سوءِ تصرف کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ یوں تو حضرت عثمانؓ کے باب میں ان کا پورا بیان اور طرز تنقید ہمارے نزدیک ناپسندیدہ ہے، لیکن عہد عثمانی کے فتنوں کو "روح اسلام سے قریب" بتانا (ص ۱۹۰) سب سے زیادہ تکلیف دہ اور افسوسناک ہے۔ فتنہ پردازوں کی شرارتوں سے مؤلف کو انکار نہیں، لیکن وہ ان کے طرز عمل کو مروان اور بنو امیہ کے طرز عمل کی نسبت اسلام سے زیادہ قریب قرار دیتے ہیں۔ اسلام کا یہ پہلا فتنہ تھا۔ اس کی جتنی مذمت کی جائے، کم ہے۔ مروان، امیر معاویہ اور یزید کی وکالت کرنا مقصود نہیں، مگر وہ فتنہ، جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث ہوا، اس کی تحسین وتائید یا اس کی مدت میں کوتاہی ایک مسلمان کے بس کی بات نہیں —— کتاب میں سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز ہمیں یہی نظر آئی۔ انشاءاللہ ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔

کتاب میں چھوٹی موٹی خامیاں اور بھی ہیں - اور کون مصنف اس سے خالی ہو سکتا ہے؟ طول کلام کے خوف سے ہم انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر کتاب بہت مفید، جامع اور وقت کی چیز ہے۔ اللہ کی شان دیکھئے - ازھر کے شیوخ تو اپنی تنخواہوں اور گریڈ کی خیر منانے میں سرگرم ہوں، اور دین کی خدمت نئے گریجویٹوں کے حصے میں آئے - یہی تضاد ہے جس نے ازھر اور شیوخ ازھر کے باب میں مصنف کا لہجہ بہت تلخ وتند کر دیا ہے۔

کتاب کی زبان اور اسلوب بالکل اپ ٹو ڈیٹ اور نوجوانوں میں مقبول ہے۔ تبصرہ نگار عربی زبان وانشا میں بھی اعتدال پسند مسلک رکھتا ہے۔ وہ قرآنی زبان اور معیاری اسلوب بیان سے انحراف پسند نہیں کرتا۔ لیکن ایک عجمی کی پسند وناپسند کیا حیثیت رکھتی ہے، جب کہ عربی کے بڑے بڑے مرکزوں میں بھی معیاری زبان لکھنے والے خال خال نظر آتے ہیں۔

معركة الإسلام والرأسمالية (اسلام اور سرمایہ داری کی جنگ) مصنفہ سید قطب، ۸۰ صفحے، طباعت اور کاغذ غنیمت۔ یہ جدید مصر کے روشناس اہل قلم، سید قطب کی